Riphah Journal of Islamic Thought & Civilization
Published by: Department of Islamic Studies,
Riphah International University, Islamabad
Email: editor.rjitc@riphah.edu.pk
Website: https://journals.riphah.edu.pk/index.php/jitc
ISSN (E): 3006-9041 (P): 2791-187X

اقتصادی انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کے تناظر میں اسلام اور جدید معاشی نظاموں کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of Islam and Modern Economic Systems in the Context of Economic Justice and Equitable Distribution of Wealth

Muhammad Saif Ullah Khalid [i]

Abstract

Society, economy, and politics are the three fundamental pillars of national life, with the economy holding a central position. Economic prosperity not only positively impacts social and political systems but also paves the way for overall national development. Economic growth and prosperity are essential for the well-being of any society, but their true benefits can only be realized when justice and transparency are adopted as fundamental principles. Economic justice establishes a system that ensures the fair distribution of resources and eliminates the monopoly of a particular class. It creates an equitable economic environment for both the rich and the poor, preventing social and political inequalities. Islamic teachings emphasize economic justice as a fundamental element, aiming for the fair distribution and continuous circulation of wealth to prevent monopolies and exploitation. Under this system, wealth is not merely for personal interests but must also serve collective welfare. Principles such as Zakat, charity, and welfare initiatives reinforce this concept, forming a crucial part of the Islamic economic system. In the modern era, the global economy faces multiple challenges, including increasing inequality, wealth concentration, and economic imbalance. In such circumstances, the principles of Islamic economics offer a just and sustainable solution. This article examines the core concepts of economic justice, practical approaches to wealth distribution, and the principles of establishing a balanced economy to highlight the significance of Islamic teachings in contemporary economic systems

Keywords: *Economic Justice, Fair Distribution, Balanced Economic, Principles*

---

[i] MPhil Scholar, DIS, Riphah International University, Faisalabad Campus saifullahkhalid9752@gmail.com

تمہید:

معاشرت، معیشت اور سیاست قومی زندگی کے تین اہم ستون ہیں، جن میں معیشت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ معیشت کی بہتری نہ صرف سماجی اور سیاسی نظام پر مثبت اثر ڈالتی ہے بلکہ مجموعی طور پر قومی ترقی کی راہ بھی ہموار کرتی ہے۔ معاشی ترقی اور خوشحالی کسی بھی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے ناگزیر ہیں، لیکن اس ترقی کا حقیقی فائدہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں انصاف، اور شفافیت کو بنیادی اصولوں کے طور پر اپنایا جائے۔ اقتصادی انصاف ایک ایسا نظام تشکیل دیتا ہے جس میں وسائل کی منصفانہ تقسیم اور وسائل پر کسی مخصوص طبقے کی اجارہ داری کے خاتمے کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ معاشیات میں امیر اور غریب کو انصاف پر مبنی معاشی میدان فراہم کیا جاتا ہے۔ تاکہ سماجی اور سیاسی ناہمواریوں سے بچا جاسکے۔ اسلامی تعلیمات میں اقتصادی انصاف کو ایک لازمی عنصر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس کا مقصد دولت کی منصفانہ تقسیم اور اس کی مسلسل گردش کو یقینی بنانا ہے تاکہ معاشرے میں کسی قسم کی اجارہ داری یا استحصال نہ ہو۔ اس نظام کے تحت دولت کا استعمال صرف ذاتی مفادات کے لیے نہیں بلکہ اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ، صدقات، اور فلاحی اقدامات جیسے اصول اس تصور کو تقویت دیتے ہیں، جو اسلامی معیشت کا ایک اہم جزو ہیں۔ عصرِ حاضر میں عالمی معیشت کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے، جیسے بڑھتی ہوئی غیر منصفانہ تقسیم، ارتکازِ دولت، اور معاشی عدم توازن۔ ایسے حالات میں اسلامی معیشت کے اصول ایک منصفانہ اور پائیدار حل پیش کرتے ہیں۔ یہ مضمون اقتصادی انصاف کے بنیادی تصورات، دولت کی منصفانہ تقسیم کے عملی طریقوں، اور متوازن معیشت کے قیام کے اصولوں کا جائزہ لیتا ہے تاکہ جدید معیشت میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

اقتصادی انصاف اور مروجہ اقتصادی نظام:

اقتصادی انصاف سے مراد ایسا معاشی اصول ہے، جس میں معاشرے کا ہر فرد اپنی اہلیت اور محنت کے مطابق معاشی طور پر حصہ دار ہوتا ہے۔ اس کا مقصد معاشی ناانصافیوں کا خاتمہ، استحصال کو روکنا اور ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں کوئی فرد یا جماعت دولت کے ذرائع یا وسائل پر قابو پا کر چند ہی ہاتھوں میں سمیٹ سکنے کے قابل نہ رہے اور نتیجتاً لوگوں کے درمیان معاشی توازن قائم رہ سکے۔[1] لہٰذا ہر فرد اقتصادی انصاف کی بنیاد پر یہ بنیادی حق رکھتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ معاشی میدان میں پیچھے رہ گیا ہے تو اسے بھی اس کا معاشی حق دیا جائے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ"[2]

ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

اس حوالے سے تین نظام موجود ہیں جن کا یہاں ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

ا۔ سرمایہ درانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام ایک ایسا معاشی ڈھانچہ ہے جو فرد کی اقتصادی آزادی، نجی ملکیت، اور منڈی کی قوتِ محرکہ پر استوار ہے۔ اس نظام کے مطابق جب منڈی کو ریاستی مداخلت سے آزاد رکھا جائے اور ہر فرد کو معاشی سرگرمیوں میں آزادی حاصل ہو، تو معیشت کی مجموعی ترقی اور استحکام ممکن ہوتا ہے۔ جبکہ اس نظام کا گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ داری میں اقتصادی انصاف کا تصور ایک نظری مفروضہ ہے، جو عملی دنیا میں نہایت کمزور بنیادوں پر قائم ہے۔ جس کے لئے اس نظام کی نظریاتی اساس سے اگاہی بے حد ضروری ہے جو اس کے فرضی دعویِ انصاف سے نقاب کشائی کرتی نظر آتی ہیں۔

الف۔ سرمایہ دارانہ نظریاتی اساس:

سرمایہ دارانہ فکر کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنی عقل، محنت اور قابلیت کے بل بوتے پر ترقی کر سکتا ہے، بشرطیکہ ریاستی مداخلت نہ ہو۔ تاہم، یہ "آزادی" حقیقی معنوں میں صرف ان افراد کو حاصل ہوتی ہے جو پہلے ہی وسائل اور سرمایے کے مالک ہیں۔ معروف ماہرِ اقتصادیات تھامس پیکیٹی (Thomas Piketty) اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ سرمایہ داری میں دولت کا ارتکاز مسلسل بڑھتا ہے، اور اقتصادی طور پر عدم انصاف اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ "آزادی" صرف اور صرف اشرافیہ کی حد تک محدود رہ جاتی ہے۔

> "Capitalism automatically generates arbitrary and unsustainable inequalities that radically undermine the meritocratic values on which democratic societies are based"[3]

سرمایہ داری ایسا نظام ہے جو خود ہی غیر منصفانہ اور غیر مستقل فرق پیدا کرتا ہے، جو جمہوری معاشروں کی میرٹ پر مبنی اقدار کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ب۔ سرمایہ دارانہ ارتکازِ دولت:

سرمایہ داری کا سب سے بڑا معاشی تضاد دولت کا شدید ارتکاز ہے۔ چونکہ نفع (Profit) ہی اس نظام کی محرک قوت ہے، لہٰذا سرمایہ صرف ان شعبوں اور طبقات میں مرتکز ہو جاتا ہے جو منافع بخش ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امیر مزید امیر اور غریب مزید غریب ہو جاتا ہے۔ معاشی ترقی کا راستہ اشرافیہ کے لیے کھلا رہتا ہے، جبکہ نچلے طبقات اس دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

ابوالاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''سرمایہ داری نے انسانی زندگی کو محض مادی کامیابی اور ذاتی مفاد کی بنیاد پر استوار کر دیا ہے، جہاں اخلاقی قدریں اور فلاحِ عامہ کی روح بتدریج ختم ہوتی جارہی ہے''[4]

ج۔ مادیت پرستی سرمایہ دارانہ نظام کی روح:

سرمایہ دارانہ نظام میں انسانی ضرورتوں کو محض مادی معیارات پر ناپا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرتی ذمہ داریوں اور اخلاقی اقدار کی اہمیت مفقود ہو جاتی ہے۔ جبکہ اقتصادی انصاف کا تقاضا ہے کہ فرد کی مجموعی فلاح کو مدنظر رکھا جائے، نہ کہ صرف اس کی مادی خواہشات کو۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام اپنی فطرت میں اقتصادی انصاف کے بنیادی اصولوں سے متصادم نظر آتا ہے۔ پروفیسر عبدالحمید ڈار لکھتے ہیں:

> ''نظام سرمایہ داری مادی فلسفہ حیات سے ماخوذ ہے اس نظریہ کے مطابق حیات و کائنات کی اصل مادہ ہے، مادہ سے ماورا یہاں کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے انسان کی جدوجہد کا مرکز و محور مادی احتیاجات کی تسکین ہی ہونی چاہیے''[5]

د۔ نظام سرمایہ داری اور خواہشات:

سرمایہ داروں کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہے۔ نیز سرمایہ دار کا مقصد اپنی آزادی کو بڑھانا اور دنیا کی تمام قوتوں کو اپنی مرضی کے مطابق زیرِ تسلط لانا ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار اپنے مفادات کے لیے سماجی اور معاشی انصاف کو نظرانداز کرتا ہے۔ جاوید اکبر انصاری لکھتے ہیں:

> ''ہر وہ شخص سرمایہ دار ہے جس کی زندگی کا مقصد کائنات پر اپنی خواہشات کو مسلط کرنا ہوتا ہے۔ اور ہر سرمایہ دار کی زندگی کا مقصد اپنی آزادی کو ترقی دینا ہوتا ہے تاکہ کائنات کی تمام قوتوں کو مسخر کر کے اس کی تمام خواہشاتِ نفسانی پوری کی جاسکیں''[6]

سرمایہ دارانہ نظام نے فرد کو اجتماعی تعلقات سے بے گانہ کر کے افرد کو ایک ایسی مادی دنیا میں مقید کر دیا ہے جہاں اس کی معاشرتی ذمہ داریاں، اخلاقی اقدار اور انسانیت کی بنیادیں فراموش ہو چکی ہیں۔ اس نظام کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ انسان کو اپنے نفع اور فائدے کی فکر میں اس حد تک غرق کر دیتا ہے کہ وہ دوسروں کی تکالیف، معاشرتی و معاشی انصاف، اور اخلاقی اصولوں کو نظرانداز کر دیتا ہے۔

اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی برائیاں جیسے کہ غربت، محرومی، اور استحصال نہ صرف فرد بلکہ پورے معاشرے کے اخلاقی بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ سرمایہ داری کے اس مادی فلسفے، بے لگام آزادی اور بے قید ملکیت نے انسان کے لیے ہر قسم کی ہمدردی، تعاون، یا خیر خواہی کی جگہ کو خالی چھوڑ دیا ہے۔ نتیجتاً، اس کے اثرات معاشرتی عدم توازن، غیر منصفانہ تقسیم، جیسی خرابیوں کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

۲۔اشتراکیت

سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اشتراکیت معاشی ناہمواریوں اور غیر منصفانہ اقتصادی نظام کا حل کچھ اسطرح لئے میدان میں اُتری کہ جب تک پیداوار کے وسائل ریاست کی تحویل میں نہیں ہوں گے اور نجی ملکیت کا خاتمہ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اقتصادی انصاف اور سماجی مساوات کا قیام ممکن نہیں۔ اشتراکی فکر اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہر فرد کو بلا امتیاز بنیادی ضروریاتِ زندگی جیسے: خوراک، لباس اور رہائش تک مساوی رسائی حاصل ہونی چاہیے، تاکہ ایک استحصالی، طبقاتی اور غیر منصفانہ نظام کے بجائے ایک مساوی اور عادلانہ معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

لیکن میدان عمل میں سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اس کے پلڑے میں بھی سوائے فرضی نعروں کی کچھ نہیں تھا، بجائے معاشی انصاف کے قیام کے نادار اور مزدور کا اس قدر استحصال کیا کہ اس کے خون پسنے سے کمائی گئی محنت پر حکومت کو قابض کیا اور اس کے حق کو سلب کر کے انسان کو ایک ایسا نظریہ دیا کے جس سے انسان کی فطری عظمت، انفرادیت، آزادیِ فکر اور اخلاقی اقدار کچل دی گئیں اور انسان کی حیثیت صرف خام مال کی سی رہ گئی۔ مسعود عالم ندوی تحریر کرتے ہیں:

> ”اس نظام نے انسانی شخصیت کے ارتقاء کے امکان کو ختم کر دیا اور افراد کو موادِ خام کی حیثیت دے دی جہاں انسانوں کی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور ایک منتخب گروہ انسانوں کو لوہے کے پُرزے یا چمڑے کے جوتوں کی طرح ڈھالتا اور بناتا ہے“[7]

معلوم ہوا کہ اشتراکیت نے انسان کو انصاف کی فراہمی تو در کنار اس کے مقام اور شرف کی نفی کر کے اسے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ دے دیا جس کے بدلے انسان سے اس کی دینی شناخت، اخلاقی نظریات اور فرد کی شخصی خود مختاری کو بھی سلب کر لیا گیا۔ علامہ شمس الحق افغانی لکھتے ہیں:

"انسان کی اصلی شرافت اس کی حُریت اور فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریت نہ ہو تو انسان مقام شرف انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ اور حیوان کیا ہے؟ وہ ہمارے اختیار کے مطابق چلتا ہے پھر ہم اس کو گھاس ودانہ وغیرہ کھلاتے ہیں، اسی طرح کمیونزم انسان سے اپنے اختیار کے مطابق کام لیتا ہے اور پھر اس کے بدلے روٹی اور کپڑے کا بندوبست کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے انسان کے فکر و عمل کی آزادی اور اختیار ختم ہو کر رہ جاتا ہے"[8]

۳۔ اسلام

اسلام ایک ایسا نظام ہے جو صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ مکمل نظامِ حیات ہے، جو انسانی فطری تقاضوں کے عین مطابق ہونے کے ساتھ فلاحِ انسانی کا بھی ضامن ہے، انسان کے روحانی اور مادی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ معاشرت ہو معیشت ہو یا سیاست، ان تمام شعبوں میں اسلام نے عدل وانصاف پر مبنی راہنما اصول دیئے ہیں، جن میں معیشت بھی شامل ہے، جس کے لیے ایسے رہنما اصول فراہم کیے گئے ہیں، جن کی پیروی کرتے ہوئے ہر دور میں ایک عادلانہ، منصفانہ اور قابل نفاذ نظام وضع کیا جاسکتا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ[9]

انصاف کرو، یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو

اسلامی اقتصادی نظام میں اقتصادی عدل و انصاف سے افرادِ معاشرہ کی معاشی سرگرمیوں، رہائش، کاروبار، مال ودولت، لباس، خوراک اور دیگر معاملات وغیرہ کا مساوی ہونا مراد نہیں ہے۔ مثلاً جتنا ایک فرد کے پاس مال ودولت ہے معاشرے کے ہر فرد کے پاس اتنا ہی ہو اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کیونکہ معاشرے کے ہر فرد کی ذہنی استعداد اور کام کرنے کی مہارت ایک جیسی نہیں ہے۔ اور ایسی مساوات کا حصول ایک غیر فطری اور ناقابل عمل امر ہے جو کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے بھی متصادم ہے۔

لہذا اس باب میں اقتصادی انصاف سے مراد قومی پیداواری وسائل اور ذرائع ہیں جن سے استفادے کا حق اسلامی معاشرے کا ہر ہر فرد رکھتا ہے۔ اگرچہ اس حق کے استعمال میں کوئی فرد اپنی صلاحیت اور محنت کی وجہ سے دوسرے سے آگے بڑھ جائے تو وہ اس کی صلاحیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ"[10]

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ "[11]

ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا، تاکہ ان کا بعض، بعض کو تابع بنالے اور تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

الف۔ اقتصادی انصاف کے اسلامی اصول:

اسلام اقتصادی انصاف کے لیے چند بنیادی اصول معاشرے کو فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہر زمانے میں ایک مستحکم، متوازن اور منصفانہ معاشی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔

حرام آمدنی کی ممانعت:

اسلامی اقتصادیات ایک ایسا جامع نظامِ فکر پیش کرتی ہے جو دولت کے حصول، اس کے استعمال اور اس کی تقسیم کے تمام مراحل کو اخلاقی و شرعی اصولوں کے تابع قرار دیتا ہے۔ اس نظام میں حرام آمدنی کی ممانعت ایک نہایت اہم اصول ہے، جس کا مقصد معاشی تعلقات کو عدل، شفافیت اور دیانت کی بنیاد پر استوار کرنا ہے۔

قانونِ اسلامی کے مطابق مال صرف اسی وقت مشروع قرار پاتا ہے جب وہ جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنكُمْ"[12]

اور نہ کھاؤ اپنے مالوں کو آپس میں باطل طور پر مگر یہ کہ ہو تجارت تمہاری آپس کی رضامندی کے طور پر۔

یہ آیت مبارکہ اسلامی اقتصادیات کے لیے منصفانہ بنیادی اصول فراہم کرتی ہے، جہاں "باطل" کی اصطلاح تمام غیر مشروع ذرائع سود، رشوت، جوا، خیانت، چوری اور دھوکہ دہی کو شامل ہے۔ چنانچہ حصولِ دولت اور تقسیمِ دولت میں انسان اپنے آپ کو اس حد تک آزاد نہ سمجھے کہ جو اور جہاں سے مرضی کمائے اور استعمال میں لائے بلکہ اس معاملے میں اس حد تک احتیاط کرے کہ کسی دوسرے کا کوئی زرہ برابر حق بھی اس کے حق میں خلط ملط نہ ہو جائے۔ اور حلال طیب کی بجائے حرام کا مرتکب ہو جائے۔ چنانچہ آیت قرآنی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ"[13]

اے ایمان والو! ہماری رزق کے طور پر دی گئی پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اُسی ہی کی عبادت کرتے ہو۔

گردشِ دولت کا اسلامی تصور اور احتکار و اکتناز کی ممانعت:

یہ اسلامی معیشت کا بنیادی اور نہایت اہم اصول ہے۔ اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام ہر وہ دروازہ جو چند ہی ہاتھوں میں ارتکازِ دولت کا سبب بنتا ہے اسے بند کر دینے کا حکم دیتا ہے اور حوصلہ افزائی کرتا ہے ہر اس راستہ کے کھولنے کی جو دولت کی گردش کا رُخ اہل ثروت سے محروم المعیشت افراد کی طرف پھرنے میں معاون ثابت ہو اور محرومی معاش کے تدارک کا امکان ہو۔ تاکہ اقتصادی انصاف برقرار رہ سکے اور معاشرے کا ہر ہر فرد اس سے مستفید ہو سکے۔ قران مجید میں اللہ رب العزت نے دولت کو امانت اور انسان کو خلیفہ قرار دے کر اس کی تقسیم کی ذمہ داری انسانوں پر ڈال دی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ"[14]

اور خرچ کرو اس مال میں سے جس پر تمہیں خلیفہ بنایا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ دولت صرف چند ہی ہاتھوں میں مرتکز نہیں ہونی چاہیے بلکہ اسے سماج کے محروم المعیشت افراد تک پہنچانا لازمی امر قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

"مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِه مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ o کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ"[15]

وہ مال جو اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے بنا لڑے دلا یا وہ اللہ، رسول، قرابت دارو، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ وہ مال نہ پھرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔

احتکار:

جب کوئی فرد یا ادارہ ضروری چیزیں جیسے خوراک یا دوا مارکیٹ سے خرید کر اس نیت سے روک لیتا ہے کہ جب ان کی قلت ہو تو مہنگے داموں بیچے، "احتکار" کہلاتا ہے۔ اسے نہ صرف اخلاقی طور پر قابل مذمت سمجھا جاتا ہے بلکہ شریعتِ اسلامیہ بھی اسے گناہ شمار کرتی ہے۔ حضرت معمر بن عبداللہؓ آپ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں:

"لَا یَحْتَکِرُ إِلَّا خَاطِئٌ"[16]

صرف گناہ گار ہی احتکار کرتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الجالب مرزوق، والمحتكر ملعون"[17]

رزق دیا جاتا ہے درآمد کرنے والا، اور لعنت کا مستحق ہے ذخیرہ اندوزی کرنے والا۔

ان احادیث طیبہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اجناس یا دولت جو لوگوں کی ضروریات سے وابستہ ہو اسے اس نیت سے روک لینا کے احتیاجِ غلہ کے وقت مہنگے داموں فروخت کیا جائے تو اس عمل پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

اکتناز:

اکتناز اس طرز عمل کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص اپنی مالی حیثیت کے مطابق زکوٰۃ ادا کیے بغیر دولت (سونا، چاندی) جمع کرتا ہے اور اسے خرچ میں نہیں لاتا۔ اس سے دولت کا بہاؤ رک جاتا ہے اور سماج میں معاشی ناانصافی اور عدم توازن بڑھ جاتا ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے:

"وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ"[18]

اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اسے خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں پس انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی۔

چنانچہ احتکار اور اکتناز دونوں ایسے اعمال ہیں جو اسلامی معیشت کے اس بنیادی مقصد کے خلاف ہیں جو دولت کی منصفانہ تقسیم اور معاشی توازن کا قیام ہے۔ ایک اسلامی ریاست اور معیشت کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں رویّوں کا سد باب کیا جائے تاکہ "اقتصادی انصاف" محض نظریہ نہ رہے بلکہ ایک عملی حقیقت بن جائے۔

ب۔ معاشی حقوق کا تحفظ:

اسلامی اقتصادی نظام میں معاشی حقوق کا تصور ایک عملی، قانونی اور دینی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ صرف اخلاقی ترغیب پر مبنی نہیں بلکہ اجتماعی دینی فریضے کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ جو اقتصادی انصاف اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا بنیادی ستون ہے۔ ان حقوق کی اساس قرآن و سنت میں واضح طور پر موجود ہے، جو فرد اور معاشرے کے درمیان دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ معاشی طور پر فرض کئے گئے چند حقوق درج ذیل ہیں:

روزگار اور اجرت کا حق:

معاشی انصاف کے بنیادی اصولوں میں روزگار اور اجرت کا حق کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حق نہ صرف فرد کی معاشی آزادی اور وقار سے جڑا ہوا ہے بلکہ ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ روزگار کی فراہمی اور اجرت کا منصفانہ تعین ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور معاشرتی مساوات کی ضمانت دیتا ہے۔

روزگار کا حق:

اسلامی تعلیمات میں محنت کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"[19]

کسی شخص نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز نہیں کھائی، اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

یہ حدیث اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ معاشرے میں ہر فرد کو روزگار کے مواقع میسر آنے چاہییں تاکہ وہ باعزت طریقے سے اپنی معاشی ضروریات پوری کر سکیں۔

اجرت کا حق:

اسلام میں مزدور کی اجرت کے حوالے سے واضح اصول موجود ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ"[20]

مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

یہ ارشاد مزدور کے مالی تحفظ، اجرت کی بروقت ادائیگی اور اس کی محنت کا احترام اجاگر کرتا ہے۔ اسلامی معیشت کے اصولوں کے مطابق اجرت کا تعین اس انداز میں ہونا چاہیے کہ مزدور کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے، اور وہ باوقار زندگی گزار سکے۔ صرف بقاءِ حیات کافی نہیں بلکہ ایسی اجرت ضروری ہے جو فلاحی معیارِ زندگی فراہم کرے۔

2- حقِ کفالتِ عامہ یا باہمی امداد:

یہ معاشی انصاف کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے، جو معاشرتی ذمہ داریوں اور انسانی ہمدردی کو اہمیت دیتا ہے۔ یہ تصور عمومی طور پر اُس حق کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے تحت ریاست یا معاشرہ اپنے کمزور طبقات کو امداد فراہم کرتا ہے تاکہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ[21]

اور ان کے اموال میں حق ہے سوالی کا اور محروم کا

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَاتَيْنِ"[22]

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ یہ تصور صرف خیرات یا اخلاقی احسان تک محدود نہیں بلکہ ایک منظم اور شرعی فریضہ ہے، جو کہ باہمی امداد کے اصولوں پر قائم ہے۔

زکوٰۃ کا نظام:

انہیں کفالت عامہ اور امداد باہمی کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے زکوٰۃ کا نظام متعارف کروایا ہے جو کہ نہ صرف انفرادی عبادت بلکہ یہ ایک سماجی معاشی نظام کا جزوِ اعظم ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا"[23]

ان کے مالوں سے صدقہ لو تاکہ تم ان کو پاک اور صاف کرو۔

اسلامی اقتصادی انصاف کا تصور محض مالی ادائیگیوں کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت تصور اور فکر کا نام ہے، جس میں فلاحِ عامہ، باہمی امداد اور ریاستی ذمہ داری سب شامل ہیں۔ حقِ کفالتِ عامہ ایک ایسا اصول ہے جو نہ صرف اسلامی نظام معیشت کو انفرادیت عطا کرتا ہے بلکہ اسے عصری نظاموں سے ممتاز بھی کرتا ہے۔

تقسیمِ دولت اور نظام ہائے معیشت:

یہ اقتصادی نظام کا وہ اصول ہے جو انگلش میں ”Distribution of Wealth“ کی اصطلاح سے متعارف ہے۔اسی اصول کے ذریعے کسی بھی ملک کی مجموعی دولت اور آمدنی کو اس کے شہریوں کے درمیان بانٹا جاتا ہے، یا عالمی سطح پر مختلف ممالک کے درمیان دولت اور آمدنی کی تقسیم کا جائزہ لیا جاتا ہے۔جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے:

> "Distribution of wealth and income, the way in which the wealth and income of a nation are divided among its population, or the way in which the wealth and income of the world are divided among nation".[24]
>
> دولت اور آمدنی کی تقسیم: وہ طریقہ جس کے تحت کسی قوم کی دولت اور آمدنی کو اس کی آبادی میں تقسیم کیا جاتا ہے، یا وہ طریقہ جس کے تحت دنیا کی دولت اور آمدنی کو اقوام کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔

تقسیمِ دولت کے مسئلہ میں دنیا میں رائج اقتصادی نظاموں نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں، جن کی ذیل میں وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام اور تقسیمِ دولت:

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آمدنی یا دولت کو عواملِ پیدائش (زمین، محنت، سرمایہ اور آجر یا تنظیم) کے درمیان کچھ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ مالک زمین کو کرایہ، محنت کرنے والے کو اجرت، سرمایہ فراہم کرنے والے کو سود، اور آجر یا تنظیم (جو کہ پیداواری عمل کا اصل محرک ہے) کو منافع دیا جائے گا۔ عواملِ پیدائش کے اوپر ذکر کئے گئے معاوضے کا تعین قانون طلب ورسد کی بنیاد پر ہو گا، یعنی جس چیز کی طلب زیادہ ہو گی، اس کا معاوضہ بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔اور جس کی طلب کم ہو گی اسکا معاوضہ بھی اتنا ہی کم ہو گا۔[25]

الف۔ آجر اور اجیر کے درمیان معاملہ:

سرمایہ دارانہ نظام میں کاروباری اداروں میں بنیادی طور پر دو اہم فریق ہوتے ہیں۔ایک وہ جو کاروبار کا مالی بوجھ اٹھاتے ہیں اور نفع ونقصان کے خطرے کے ساتھ اسے چلاتے ہیں جسے آجر کہا جاتا ہے، جبکہ دوسرا گروہ وہ ملازمین ہیں جو اپنی محنت اور مہارت کے بدلے ایک مقررہ اجرت وصول کرتے ہیں، مگر کاروبار کے مجموعی فائدے یا نقصان سے براہ راست متاثر نہیں ہوتے جنہیں اجیر کہا جاتا ہے۔اس نظام کے حامیوں کا مؤقف ہے کہ چونکہ کاروبار کا نقصان صرف سرمایہ فراہم کرنے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس لیے منافع بھی اسی ہی کا حق ہونا چاہیے، جبکہ اجیر کو محض طے شدہ اجرت پر اکتفا کرنا چاہیے، جو مارکیٹ کے اصولوں (قانونِ رسد وطلب) کے مطابق متعین ہوتی ہے۔ نفع میں

اضافے یا نقصان کی صورت میں اجرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ یہ مذکورہ بالا مارکیٹ کے اصولوں کے تحت خود ہی بڑھتی اور کم ہوتی رہے گی۔ اس صورتحال میں، آجر اپنی لاگت کم سے کم رکھنے کی کوشش کرے گا، جبکہ اجیر زیادہ اجرت کے لیے کوشاں رہے گا، جس کے نتیجے میں ایک مسلسل کشمکش جنم لے گی۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام نے آمدنی کی تقسیم قانونِ رسد و طلب کے سپرد کر دی ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"آمدنی کی تقسیم کا بنیادی مسئلہ بھی سرمایہ دارانہ نظام میں رسد و طلب کے قوانین کے تحت انجام پاتا ہے"[26]

ب۔ نجی ملکیت:

سرمایہ دارانہ نظامِ اقتصاد کا اصول ہے کہ انسان قانوناً مالک ہے ہر اس چیز کا جو اس نے کمائی اور جس کے ذریعے کمائی۔ اگر دُکان انسان کا ذریعہ معاش ہے تو انسان اس دُکان سے حاصل ہونے والے ہر منافع اور اس دکان دونوں کا مالک ہے، اسی طرح اگر زمین ذریعہ معاش ہے تو انسان زمین اور منافع دونوں کا مالکِ کل ہے۔ جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہے روک کر رکھے یا استعمال میں لائے۔ جس میں کسی دوسرے کا حق شامل نہیں ہے۔ John Locke نے نجی ملکت کو اس طرح بیان کیا ہے:

"Property is a person's life and liberty as well as his physical possessions"[27]

جائیداد ایک شخص کی زندگی اور آزادی کے ساتھ ساتھ اس کا ذاتی مال بھی ہے۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"سرمایہ دارانہ نظام میں ہر انسان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذاتی ملکیت میں اشیاء بھی رکھ سکتا ہے اور وسائلِ پیداوار بھی رکھ سکتا ہے"[28]

ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

"شخصی ملکیت صرف ان اشیاء کی ملکیت کا حق نہیں جنہیں آدمی خود استعمال کرتا ہے۔ بلکہ ان اشیاء کی ملکیت کا بھی حق ہے جن سے آدمی مختلف قسم کی اشیاء ضرورت پیدا کرتا ہے"[29]

چنانچہ سرمایہ صاحب ثروت لوگوں کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے جو اسے اپنے لیے مزید بڑھانے کے دوڑ میں قومی وسائل کا ایک بڑا حصہ اپنے ہاتھوں میں مرتکز کر لیتے ہیں۔ نجی ملکیت، ناجائز منافع خوری، سود اور بے لگام اقتصادی آزادی جیسے عوامل اس نظام کے عدم توازن اور

غیر منصفانہ تقسیم کو مزید گہرا کر کے مزدور، کمزور اور نادار طبقے کو مالی معاونت کرنے کی بجائے شدید مالی مشکلات کی طرف دھکیل دیتے ہیں جو کہ بعض اوقات بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں:

''اصل مسئلہ تو پیداواری وسائل کا ہے، جب تک یہ سرمایہ داروں کے قبضہ میں رہیں گے محنت کشوں کا استحصال ہوتا رہے گا اور ان کی محنت صنعت کار سمیٹتے رہیں گے''[30]

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وسائل پیداوار سرمایہ دار کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے جیسے چاہے ان وسائل کا استعمال کر کے ضرورت کی اشیاء پیدا کر سکتا ہے یا جان بوجھ کر قلت پیدا کر سکتا ہے۔ یہ سوچ انسان میں خود غرضی کو جنم دیتی ہے اور اس کے معاشی اثرات کے طور پر دولت کی تقسیم میں عدم انصاف کی صورتحال پیدا کرتی ہے۔

ج۔ معاشی آزادی:

سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی دوسری وجہ اس نظام کی بنیادی اساس ''بے قید آزادی'' کا نظریہ بھی ہے، یہ وہی ''آزادی'' ہے جو مغربی فلسفے کی قدرِ مطلق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان مطلق العنان ہے جو الہامی ضوابط اور اصولوں سے ماوراء ہے اور کسی ضابطے یا کسی اصول کا پابند نہیں ہے۔ ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری آزادی کا معنی لکھتے ہیں:

''آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو چاہے خواہش کر سکتا ہے، وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ آزاد پیدا ہوا ہے لہٰذا اِسے کسی الہامی ضابطے کا پابند نہیں کیا جا سکتا''[31]

اسی نظریہ کے تحت یہ نظام اس بات کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے، کہ فرد جتنا چاہے جو چاہے اور جیسے چاہے سرمایہ اکٹھا کرنے میں آزاد ہے۔ اسی طرح اس حاصل کئے گئے سرمائے کو اس کی چاہ کے مطابق تقسیم کرنے یا نہ کرنے کا مکمل طور پر آزادانہ اختیار بھی رکھتا ہے۔ زاہد صدیق مغل لکھتے ہیں:

''آزادی یہ ہے کہ ارادہ انسانی کے اظہار کے حق کو ''خیر'' پر فوقیت دینا یعنی خیر اور شر کا تعین کرنے کا مساوی حق ہر انسان کو ہونا چاہیے، ماورائے اس سے کہ انسان اس حق کو استعمال کر کے اپنے لیے خیر اور شر کا کون سا پیمانہ طے کرتا ہے''[32]

لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام ایک سرمایہ دار کو اس بات کی کبھی اجازت نہیں دے گا کہ وہ سرمائے کو مادی مفاد کے علاوہ کسی محروم المعیشت افراد کی مالی معاونت میں بھی خرچ کر دے۔ البتہ وہ اسے یہ ضرور لالچ دیتا ہے کہ مزید سرمایہ اکٹھا کرنے کے لیے اس کے عوض بھاری بھر کم سود بھی وصول کرنا پڑے تو اس سے بھی وہ گریز نہ کرے۔ جس سے تقسیم دولت کے اعتبار سے ایک غیر منصفانہ نظام تشکیل پائے گا۔

۲۔ اشتراکیت اور تقسیمِ دولت:

''اشتراکیت'' اشتراک سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی مشترک، شراکت یا ساجھا کے ہیں، یہاں پر اشتراکیت سے مراد وہ تحریک ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے مدمقابل اپنا ایک نظام معیشت لے کر میدان میں آئی۔ [33]

اشتراکیت کے نظریات بنیادی طور پر افلاطون کے فلسفہ کے ساتھ ملتے ہیں، افلاطون نے انفرادی ملکیت کی کشمکش کو اجارہ داری کا سبب گردانا ہے، جس کے حل میں اس نے تمام دولت اور وسائل کی نجی ملکیت کی بجائے ان کی اجتماعی حیثیت کو ترجیح دینے کا تصور پیش کیا ہے۔ اس تناظر میں بلال زبیری افلاطون کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں:

> ''جس طرح فرد کی ملکیت اس کے تمام خاندان کے لیے وقف ہے اور خاندان کی ملکیت پوری سوسائٹی کے لیے ہے، اسی طرح سوسائٹی کی ملکیت پوری کی پوری مملکت کے قبضہ میں ہونی چاہیے کیونکہ مملکت اپنے شہریوں کی کفیل ہوتی ہے اور جو مملکت اپنے شہریوں کی کفیل نہیں بنتی وہ مملکت نہیں کہلا سکتی'' [34]

الف۔ نجی ملکیت کے تصور کی بجائے اجتماعی ملکیت کا تصور:

اشتراکیت میں وسائلِ پیداوار یعنی کارخانے، زمین، جائیداد وغیرہ کسی نجی ملکیت میں نہیں ہوں گے جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں لامحدود نجی ملکیت کی وجہ سے انسان میں دولت کے جمع کرنے کی لالچ اور ہوس پیدا ہو جاتی ہے، سرمایہ سمٹ کر ایک جگہ اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان سرمائے کے حصول کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز کھو بیٹھتا ہے، لیکن اشتراکیت کے دعوی کے مطابق تمام تر وسائلِ پیداوار پر حکومت کا قبضہ ہونے کی وجہ سے دولت کی تقسیم منصفانہ ہو گی جس میں سود کا تصور مفقود ہونے کے ساتھ ساتھ دولت کا ارتکاز بھی نہیں ہو گا جو کہ کئی معاشی و معاشرتی خرابیوں سے رکاوٹ کا سبب بنے گا۔

ب۔پیداوار کی منصفانہ تقسیم اور معاشرے کی فلاح:

اشتراکیت کا دعوی یہ تھا کہ اجتماعی ملکیت کا ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکومت اس سے ایسی پالیسی آسانی سے تیار کر سکتی ہے کہ جس سے تمام معاشرے کی فلاح ہو اور دولت کی تقسیم منصفانہ ہو،اسی طرح قومی ملکی منصوبے اور ملک کی تمام ضروریات کو پایہ تکمیل تک پہنچانا نہایت سہل ہو جاتا ہے۔مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

”روس میں افراد کے قبضے سے زمین،کارخانے اور تمام کاروبار نکال لینے سے یہ ہوا کہ اشیاء کی لاگت اور ان کی بازاری قیمت کے درمیان جو منافع پہلے زمین دار،کارخانہ دار اور تاجر لے جاتے تھے اب حکومت کے خزانے میں آنے لگا اور ممکن ہوا کہ اس منافع کو اجتماعی فلاح کے کاموں پر صرف کیا جا سکے،اور دوسرا نامساعد حالات کے پیش نظر بعض لوگ کام کاج کے قابل نہیں رہتے مثلاً بوجہ بیماری یا معذوری تو ان لوگوں کو ایک مشترکہ فنڈ سے مدد دی جاتی ہے“[35]

اشتراکی ناانصافیاں:

اشتراکیت نے دولت کی منصفانہ تقسیم اور اجتماعی فلاح کے اس نعرے کی آڑ میں دولت،سرمائے اور ذرائع معاش کو سرمایہ دارانہ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کے چنگل سے چھڑا کر ایک بڑے سرکاری سرمایہ دار کے چنگل میں پھنسا دیا۔علامہ شمس الحق افغانی لکھتے ہیں۔

”اس تحریک کا مقصد انسانوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا اس لیے کیمونسیٹ حکومتوں نے ذرائع معاش پر قبضہ کیا لیکن در حقیقت انہوں نے تمام سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دے دیا“[36]

چنانچہ عوام کے لئے اس اشتراکی حکومت کی طرف سے ظلم اور زیادتی کے صورت میں کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے جو افراد کا دست بازو بن کر ان کی فریادرسی کر سکے سوائے اس زیادتی اور ظلم کو مجبوراً اپنے اوپر نافذ کرنے کے۔کیونکہ ہر چیز خود اسی حکومت کے ہی قبضہ میں ہے جو عوام سے دو وقت کی روٹی کے لیے کولہو کے بیل کی طرح کام کرواتی ہے جس کے مطابق انہیں معاوضہ نہیں دیا جاتا۔اور دولت ایک ہی جگہ پر مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے۔آرویل جارج اپنی کتاب Animal Farm میں لکھتا ہے کہ:

”اشتراکی نظام میں سب برابر ہیں،مگر کچھ زیادہ برابر ہیں“۔[37]

اشتراکی حکومتیں مزدوروں کو کارخانوں میں انتہائی سخت محنت پر مجبور کرتی ہیں، جہاں ان کی پیدا کردہ تمام اشیاء پر ریاستی کنٹرول ہوتا ہے۔ حکومت ان مصنوعات کو اپنی مقرر کردہ قیمتوں پر فروخت کرتی ہے، جس پر عام مزدور کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بظاہر، مزدوروں کو دیگر ممالک کی نسبت کچھ زیادہ اجرت دی جاتی ہے تاکہ حکومتی پروپیگنڈے کو تقویت ملے، لیکن حقیقت میں یہ اجرت بھی ریاست کے ہی قابو میں رہتی ہے۔ مزدور اپنی محنت سے تیار کردہ اشیاء کو خریدنے کے لیے وہی اجرت خرچ کرتے ہیں، مگر ان پر ریاست کی اجارہ داری ہونے کے باعث قیمتیں اس حد تک بڑھادی جاتی ہیں کہ وہ اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ دوبارہ حکومت کو لوٹادیتے ہیں۔ نتیجتاً، حکومت جو کچھ بظاہر اضافی اجرت کے طور پر دیتی ہے، وہ دوگنا یا بعض اوقات اس سے بھی زیادہ واپس حاصل کر لیتی ہے، یوں مزدوروں کو کسی حقیقی معاشی فائدے کے بغیر محض ایک سرکاری چکر میں الجھا کر رکھا جاتا ہے۔

۳۔ اسلام اور تقسیمِ دولت:

تاریخ میں مختلف معاشی نظام متعارف کرائے گئے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن ہو، لیکن عملی طور پر چاہے وہ سرمایہ دارانہ نظام ہو، اشتراکی ہو یا کوئی اور ماڈل، حقیقی انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

اس کے برعکس، اسلام ایک متوازن اور عادلانہ معاشی نظام پیش کرتا ہے، جس میں دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے جامع اصول وضع کیے گئے ہیں۔ یہ اصول انسانی ضروریات، معاشرتی استحکام اور معاشی مساوات کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اسلامی معیشت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دولت چند مخصوص افراد یا طبقات تک محدود نہ رہے بلکہ یہ پورے معاشرے میں منصفانہ بنیادوں پر گردش میں رہے۔ تاکہ ہر فرد کو اس کے معاشی حقوق حاصل ہو سکیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ"[38]

تاکہ وہ دولت نہ گردش کرتی رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔

تقسیم دولت کے اسلامی اصول:

اسلام میں دولت کی منصفانہ اور متوازن تقسیم کے لیے اہم اصول متعین کیے گئے ہیں، جو قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ ان اصولوں کو عملی طور پر نافذ کر کے ایک ایسا معاشی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو اور سماج میں معاشی استحکام کو یقینی بنائے۔

الف۔ تصورِ ملکیت:

اسلام ملکیت کا انتہائی متوازن اور عادلانہ تصور پیش کرتا ہے، جو سرمایہ دارنہ نظام کی طرح نہ تو مطلق طور پر نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اشتراکیت کی طرح مکمل طور پر قومی ملکیت گردانتا ہے۔ بلکہ اسلامی معاشی نظام دولت کی ہر ایک شکل کو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسان کے مالکانہ حقوق کو عطاء باری تعالیٰ قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی بیشتر آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے:

(1)

"وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ"[39]

اور تم ان کی مدد کرو اللہ کے اس مال میں سے جو اس نے تمہیں عطاء کیا۔

(2)

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ"[40]

اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور جو کچھ ان میں ہے۔

(3)

"اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَO ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَO"[41]

بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو O تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟

(4)

"لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ"[42]

تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا تو پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟

ان تمام آیات بینات سے واضح ہوتا ہے کہ دولت کی ہر شکل کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے ہر چیز اسی کی ہی پیدا کردہ ہے۔ اسی کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے اس میں تصرف کا حق دے۔ جو اسی کے بتائے ہوئے قوانین اور احکامات کے طابع ہوگا۔

ب۔عاملین پیدائش اور دولت کے حقدار:

اسلام صرف عاملین پیدائش کو ہی دولت کا حقدار قرار نہیں دیتا بلکہ اس میں کچھ وہ نادار، فقراء اور مساکین افراد بھی شامل کرتا ہے جو محروم المعیشت ہیں جن تک حق پہنچانے کا اُس مالک حقیقی نے حکم دے کر حقیقتاً استحقاق کو ثابت کر دیا ہے۔اور اس حق کے پہنچانے میں احسان کی نفی فرمادی کہ ان تک پہنچانا احسان نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ"[43]

مالوں میں ایک مقرر حصہ ہے، سوال کرنے والے کے لیے اور (اس کے لیے) جسے نہیں دیا جاتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ"[44]

اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو۔

آیاتِ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ دولت کا استحقاق صرف اس کی پیداوار میں حصہ لینے والوں تک ہی محدود نہیں، بلکہ وہ مفلس اور ضرورت مند افراد بھی اس کے مستحق ہیں جنہیں اللہ نے اس کا حق دار ٹھہرایا ہے۔

اسلام کی نظر میں دولت کی منصفانہ تقسیم یہی ہے کہ تمام عواملِ پیدائش کو ان کی محنت کا صلہ ملنے کے بعد وہ افراد بھی اس میں شامل ہوں جو مستحق سمجھے جاتے ہیں۔اس طرح دولت کا بہاؤ معاشرے کے تمام طبقات تک پہنچتا ہے،تاکہ کوئی بھی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔

ج۔محنت اور سعیِ رزق:

اسلام قطعاًیہ نہیں کہتا کہ لاپرواہی کر کے مل جانے کی لالچ رکھ کر رزق نہ کمایا جائے بلکہ اسلام میں پہلی شرط محنت اور سعیِ رزق ہے،اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا فرما کر اس کے لیے وسائلِ رزق مہیا فرمائے ہیں اور انسان کو اپنی کوشش کے ساتھ انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"[45]

پس جب نماز ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور تلاش کرو اللہ کے فضل کو اور یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

محنت سے کمائی کرنے پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِه، وَأَنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ عليه السلامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِه"[46]

تم میں کوئی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی چیز نہیں کھاتا،اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

"لأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حِزْمَةً عَلَى ظَهْرِه خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَه أَوْ يَمْنَعُه"[47]

وہ شخص جو لکڑی کا گھٹا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے،اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے چاہے وہ اسے کچھ دیدے یا نہ دے۔

آپ ﷺ نے کسب حلال کو فریضہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

''كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَالْفَرِيْضَةِ''[48]

حلال روزی کمانا فرائض(لازمہ) کے بعد فریضہ ہے۔

آپ ﷺ نے فکرِ طلبِ معاش کو (مخصوص) گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا ، لاَ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَلاَ الصِّيَامُ وَلاَ الْحَجُّ وَلاَ الْعُمْرَةُ، قَالُوْا: فَمَا يُكَفِّرُهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟! قَالَ: اَلْهُمُوْمُ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ"[49]

گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں، جنہیں نہ نماز معاف کرواتی ہے، نہ ہی روزہ اور نہ حج وعمرہ معاف کراتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر انھیں کون سی چیز معاف کرواتی ہے؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ان کا کفارہ کسبِ معاش میں پیش آنے والی پریشانیاں ہیں۔

د۔ حقوق واجبہ اور نافلہ:

ذاتی محنت اور سعی کے باجود اگر انسان کسی عارض کی وجہ سے معیشت سے محروم رہتا ہے تو اسلام میں ان کی طرف دو قسم کے حقوق متوجہ ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو شرعی اور وجوبی طور پر مقررہ نصاب پور ہونے سے انسان پر ان کا ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ صاحبِ نصاب پر واجب ہونے کے بعد کوتاہی کی صورت میں ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانونی اختیار کے ذریعے زبردستی ان حقوق کی ادائیگی کا

اہتمام کرے۔ جیسا کہ: زکوٰۃ، عشر، وصیت اور وراثت وغیرہ۔ دوسرے کچھ وہ ہیں جن کی ادائیگی تو لازم نہیں ہے لیکن نفلی طور پر ان کو انسان ادا کرتا ہے جیسے: نفلی صدقات، ضیافت اور باہمی تعاون وغیرہ۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

(1)

''وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[50]

اور ان کے اموال میں حق ہے مانگنے والے اور محروم کا۔

(2)

''وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ Oلِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[51]

اور وہ لوگ جن کے اموال میں مقرر حصہ ہے، مانگنے اور نہ مانگنے والے کا

اسلام نے اہل ثروت کے مال میں غریب اور نادار کا حق رکھ کر تمام انسانوں میں ایک ایسا توازن قائم کر دیا ہے کہ اجتماعی طور پر اس کو پورا کرنے سے معاشرے سے فقر و فاقہ اور افلاس کا خاتمہ ہو کر ایسی اعتدال والی فضاء قائم ہو جائے کہ معاشرے سے تمام معاشی تنگدستیاں مسمار ہو کر رہ جائیں۔

یمن کے باشندے اسلام کے نور سے منور ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ ﷺ نے 10 ہجری میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو بطورِ وصیت ارشاد فرمایا:

''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: إنك ستاتي قوما اهل كتاب،فإذا جئتهم فادعهم إلى ان يشهدوا ان لا إله إلا الله وان محمدا رسول الله، فإن هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة، فإن هم اطاعوا لك بذلك فاخبرهم ان الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم، فإن هم اطاعوا لك بذلك فإياك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فإنه ليس بينه وبين الله حجاب''[52]

رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا' تو ان سے فرمایا کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ اس لیے جب تم وہاں پہنچو تو پہلے انہیں دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ اس بات میں جب تمہاری بات مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر روزانہ دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ دینا ضروری قرار دیا ہے۔ یہ ان کے مالداروں

سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری بات مان لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوم کی آہ سے ڈرو کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کی پُر حکمت تعلیم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل ثروت یہ خیال مت کریں کہ یہ جو ان کو دولت دی گئی ہے اس پر حقیقی ملکیت بس انہی کی ہے، بلکہ یہ تو ان پر خدا کا فضل ہے کہ خدا نے ان کو اپنی نیابت کے لیے چن لیا ہے۔ لہٰذا انسان پر اجتماعی حقوق کی ذمہ داری اسی قدر ہو گی جس قدر وہ کماتا ہے۔

س۔ متوازن معاشی اصول:

اسلام معیشت کو متوازن سمت پر چلانے کے لیے جیسے احکامات جاری کرتا ہے اسی طرح کچھ پابندیاں اصولوں کی شکل میں بھی عائد کرتا ہے۔ وہ درج ذیل تین قسم کی ہیں۔

ص۔ خدائی پابندیاں:

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام معاملات کی طرح معاشیات کے باب میں بھی حلال و حرام کے کچھ احکامات اور کچھ حد بندیاں جاری کی ہیں جن کی اپنی الگ ابدی حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ ہر زمانے میں اور ہر جگہ ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اسلام ان پابندیوں کو انسانی عقل کا محتاج نہیں ٹھہراتا بلکہ وحی الٰہی ان کا اصل منبع اور ماخذ ہیں، تاکہ انسانی عقلوں میں تفاوت معاشرے کو ان پابندیوں سے آزاد کروا کر معاشرے کو معاشی بے راہ روی کا شکار نہ بنادے۔

مثال کے طور پر سود، قمار، سٹہ، اکتناز، احتکاز کے علاوہ باقی تمام بیوعات باطلہ کو ناجائز قرار دیا جن سے معاشرہ معاشی بداخلاقی غیر منصفانہ تقسیم دولت اور فرسودگی کا شکار ہو۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''فَلاَ يَجُوْزُ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُكْتَسِبِيْنَ أنْ يَكْسِبَ الْمَالَ بِطَرِيْقَةٍ غَيْرِ مَشْرُوْعَةٍ مِّنَ الرِّبٰو وَالْقِمَارِ وَالتَّخْمِيْنِ وَسَائِرِ الْبُيُوْعِ الْفَاسِدَةِ أَوِ الْبَاطِلَةِ''[53]

نہیں ہے جائز کسی تاجر کے لیے کہ وہ سود، قمار، سٹہ بازی اور دیگر بیوعاتِ باطلہ یا فاسدہ کے غیر مشروع طریقہ سے مال کمائے۔

ط۔ ریاستی پابندیاں:

خدائی ابدی پابندیوں کے بعد اسلام حکومت وقت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر تو تمام معاملات عین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق چل رہے ہوں تو مداخلت نہ کرے اور اگر مباحات وغیرہ سے اجتماعی خرابی لازم آرہی ہو تو عمومی مصلحت کے تحت پابندی لگاسکتی ہے، تاکہ معاشی ناہمواریوں کاسد باب کیا جاسکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بازار تشریف لائے اور دیکھا کہ ایک شخص چیز کو اس کے معروف نرخ سے بہت کم داموں میں فروخت کررہاہے۔ تو آپ نے فرمایا:

''إِمَّا أَنْ تَزِيْدَ فِي السِّعْرِ وَإِمَّا أَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوْقِنَا''[54]

یا تم اضافہ کرو دام میں، ورنہ اُٹھ جاؤ ہمارے بازار سے۔

حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اولی الامر کسی معاملے میں عمومی مفاد یا کسی مصلحتِ عامہ کی وجہ سے کوئی پابندی عائد کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے معروف قیمت سے کم بیچنے پر پابندی عائد کی، گو کہ آپؓ کا پابندی لگانا کسی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اس کے کم نرخ سے ذخیرہ اندوزی یا لوگوں کا وہ چیز ضرورت سے زیادہ مقدار میں خریدنا اسراف کا سبب بن سکتا ہو۔

اولی الامر کی لگائی گئی پابندی پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ''[55]

مومنو! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

اس آیت مبارکہ میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ اولی الامر کی اطاعت واجب العمل ہے۔ البتہ ایک بات واضح رہے کہ یہ اطاعت اس وقت ہو گی جب قرآن وسنت سے کوئی حکم نہ ملے دوسرا یہ کہ یہ پابندیاں قرآن وسنت کے کسی حکم کے متضاد نہ ہوں، اگر حکمِ ولی الامر کسی حکمِ شرعی سے متصادم ہو اور اس میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو وہ واجب العمل نہیں ہو گا کیونکہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ''مخلوق کی اطاعت جائز نہیں جب خدائی حکم آجائے'' چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ''[56]

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

اور فقہی قاعدہ ہے کہ:

''التصرف على الرعية منوط بالمصلحة''[57]

عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔

لہٰذا اولی الامر کے پابندی لگانے میں کوئی اجتماعی مصلحت نہ ہوئی تو قاضی اس پابندی کو ختم کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ع۔اخلاقی پابندیاں:

اسلام ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی ہے، جو انسان کو یہ شعور عطا کرتا ہے کہ محض معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی منافع، انسانی زندگی کا حتمی مقصد نہیں ہیں۔ در حقیقت، انسان کی تخلیق کا اصل مقصد آخرت کی کامیابی کا حصول ہے۔ حقیقی کامیابی اس زندگی کے لمحات میں ہے جو آخرت کی تیاری میں صرف ہوں۔ مگر انسان کی فطرت میں حرص اس قدر رچی بسی ہے کہ ایک نعمت کے ملنے کے بعد وہ دوسری کی طلب میں لگ جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لو ان لابن آدم واديا من ذهب احب ان يكون له واديان، ولن يملا فاه إلا التراب، ويتوب الله على من تاب"[58]

اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ دو ہو جائیں اور اس کا منہ قبر کی مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو توبہ کرے۔

آپ ﷺ کے اس فرمان عالی شان سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسان کے دل میں زیادہ کی خواہش ہوتی ہے۔ لیکن انسانی فکرِ معاد فکرِ معاش پر غالب ہو، اسبابِ معیشت میں اس طرح منہمک ہو جانا کہ وہ آخرت کی فکر سے غفلت کا سبب بن جائیں یہ مذموم ہے۔

لہٰذا معیشت میں اخلاقی پابندیوں سے مراد یہ ہے کہ جب انسانی فکرِ معاد فکرِ معاش پر غالب ہو جاتی ہے تو اس کا اثر انسان کے معاشی فیصلوں پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ انسان آخرت میں زیادہ نفع مند ہونے والے کام کو دنیاوی منفعت والے کام پر ترجیح دیتا ہے۔

نتائج:

کسی بھی ملک کی ترقی اور استحکام کے لیے ضروری ہے کہ وہاں دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔ اگر دولت چند مخصوص افراد یا طبقوں تک محدود رہے تو اس سے سماجی ناہمواری پیدا ہوتی ہے، جو معاشرتی مسائل کو جنم دیتی ہے۔ جب وسائل اور دولت مخصوص طبقے کے پاس مرکوز ہو جاتی ہے، تو اس سے عوامی سطح پر غربت میں اضافہ اور مواقع میں کمی واقع ہوتی ہے۔

ایک ایسا نظام ضروری ہے جو دولت کی مسلسل گردش کو یقینی بنائے اور تمام افراد کو یکساں معاشی مواقع فراہم کرے۔ اس کے لیے حکومت کو فلاحی منصوبے متعارف کروانے، تنخواہوں کا متوازن نظام اپنانے اور مناسب ٹیکس پالیسیوں کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی مالیاتی اصول، جیسے زکوۃ اور غیر سودی نظام، دولت کی تقسیم کو متوازن بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔

نفع و نقصان میں شراکت داری جیسے طریقے استحصال کے خاتمے میں مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔ معاصر معاشی نظام (سرمایہ داری و اشتراکیت) کے مقابلے میں، اسلامی تصور نہایت متوازن اور انسان دوست ہے۔ سرمایہ داری میں معاشی آزادی حد سے تجاوز کر کے طبقاتی ناہمواری پیدا کرتی ہے جبکہ اشتراکیت فرد کی ملکیت سلب کر کے جبری مساوات قائم کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام، نجی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر سماجی ذمہ داری عائد کرتا ہے، اور یوں معاشرتی توازن قائم کرتا ہے۔ حکومت کو ایسی پالیسیاں مرتب کرنی چاہئیں جو دولت کے ارتکاز کو روک کر اس کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنائیں۔ چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباروں کی ترقی کے لیے سہولتیں فراہم کرنا ضروری ہے تاکہ عوام کو زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع مل سکیں۔ تعلیم اور ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری کر کے ایک مستحکم اور خود کفیل معیشت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

Bibliography

ابن منظور افریقی۔ **لسان العرب**۔ بیروت: دار صادر، ۱۹۹۰ء۔

Ibn Manzūr Afrīqī. *Lisān al-ʿArab*. Bayrūt: Dār Ṣādir, 1990.

ابن ماجہ، ابو عبداللہ۔ **السنن**۔ بیروت: دار الجیل، ۱۹۹۸ء۔

Ibn Mājah, Abū ʿAbd Allāh. *Al-Sunan*. Bayrūt: Dār al-Jīl, 1998.

افغانی، شمس الحق۔ **سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ**۔ کوہاٹ: ادارہ البحوث والدعوۃ الاسلامیہ، ۱۹۸۳ء۔

Afghānī, Shams al-Haq. *Sarmāyah Dārānah aur Ishtirākī Nizām kā Islāmī Muʿāshī Nizām se Muqāblah*. Kohāt: Idārah al-Buhūth wa al-Daʿwah al-Islāmiyyah, 1983.

انصاری، جاوید اکبر۔ **سرمایہ داری کے نقیب**۔لاہور: لیگسی بکس، ۲۰۱۹ء۔

Ansari, Javid Akbar. *Sarmāyah Dārī ke Naqīb*. Lāhor: Legacy Books, 2019.

انصاری، جاوید اکبر۔ **مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اس کی استعماری توسیع: سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف**۔لاہور: کتاب محل، س ن۔

Ansari, Javid Akbar. *Maghribī Tahzīb kā Asāsī Nizām aur is kī Istʿimārī Tawsīʿ: Sarmāyah Dārānah Nizām – Ek Taʿārruf*. Lāhor: Kitāb Mahal, s.n.

بیہقی، اُبُوبَکر اَحمد بن الحُسَین۔ السنن الکبریٰ۔ حیدر آباد دکن: مجلس دائرۃ النظامیہ، ۱۳۴۴ھ۔

Bayhaqī, Abū Bakr Ahmad ibn al-Husayn. *Al-Sunan al-Kubrā*. Haidarābād Dakan: Majlis Dāʾirat al-Nizāmiyyah, 1344 AH.

التبریزی، ولی الدین ابو عبداللہ۔ **مشکوۃ المصابیح**۔بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ۔

Al-Tabrīzī, Walī al-Dīn Abū ʿAbd Allāh. *Mishkāt al-Maṣābīh*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1424 AH.

الجرجانی، علی بن محمد۔ **التعریفات**۔بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

Al-Jurjānī, ʿAlī ibn Muhammad. *Al-Taʿrīfāt*. Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1403 AH.

جلالپوری، علی عباس۔ **تاریخ کا نیا موڑ**۔لاہور: ناشر تخلیقات، ۲۰۰۸ء۔

Jalālpūrī, ʿAlī ʿAbbās. *Tārīkh kā Nayā Moṛ*. Lāhor: Nāshir Takhliqāt, 2008.

ڈار، عبدالحمید (ودیگر مصنفین)۔ **اسلامی معاشیات**۔لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۰۷ء۔

Dar, ʿAbd al-Hamid (wa dīgar muṣannifīn). *Islāmī Muʿāshiyāt*. Lāhor: ʿIlmī Kitāb Khānah, 2007.

زاہد صدیق مغل، جاوید اکبر انصاری۔ **سرمایہ دارانہ انفرادیت کا حال اور مقام) ۲**(۔ گوجرانوالہ: مجلہ ماہنامہ الشریعہ، شمارہ ۸، اگست ۲۰۱۲ء۔

Zahid Siddique Mughal, Javid Akbar Ansari. *Sarmāyah Dārānah Infirādiyyat kā Hāl aur Maqām (2)*. Gujrānwālā: Majallah Māh'nāmah al-Sharīʿah, Shumārah 8, August 2012.

زبیری، بلال۔**اسلامی حکومت اور سوشلزم**۔ جھنگ: جھنگ ادبی اکیڈمی، ۱۹۷۲ء۔

Zubairī, Bilāl. *Islāmī Hukūmat aur Sōshilizam*. Jhang: Jhang Adabī Academy, 1972.

عثمانی، محمد تقی ۔**تکملۃ فتح الملہم: کتاب البیوع، المذہب الاقتصادی الاسلامی**۔ کراچی: مکتبۃ دار العلوم، س ن۔

ʿUthmānī, Muhammad Taqī. *Takmilat Fath al-Mulhim: Kitāb al-Buyūʿ, al-Madh'hab al-Iqtiṣādī al-Islāmī*. Karāchī: Maktabah Dār al-ʿUlūm, s.n.

عثمانی، محمد تقی۔**اسلام اور جدید معیشت و تجارت**۔ کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۲ء۔

ʿUthmānī, Muhammad Taqī. *Islām aur Jadīd Maʿīshat wa Tijārat*. Karāchī: Maktabah Maʿārif al-Qurʾān, 2012.

فرحان، ڈاکٹر۔**اردو لغت تاریخی اصول پر**۔ کراچی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۷۷ء۔

Farhān, Dr. *Urdū Lughat Tārīkhī Uṣūl par*. Karāchī: Taraqqī-e-Urdū Board, 1977.

قادری، غلام سرور۔**معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ**۔لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۴ء۔

Qādrī, Ghulām Sarwar. *Muʿāshiyāt-i Nizām-i Muṣṭafā*. Lāhor: Ḍiyāʾ al-Qurʾān Publications, 1984.

کردی، احمد الحجی۔**القواعد الفقہیۃ الکلیۃ: القاعدہ الثامنۃ، نظریۃ الولایۃ**۔ کویت: وزارت الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، س ن۔

Kurdī, Ahmad al-Hajjī. *Al-Qawāʿid al-Fiqhiyyah al-Kulliyyah: Al-Qāʿidah al-Thāminah, Nazariyyat al-Wilāyah*. Kuwait: Wizārat al-Awqāf wa al-Shuʾūn al-Islāmiyyah, s.n.

مالک بن انس۔**موطا الامام مالک**۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن۔

Mālik ibn Anas. *Muwaṭṭaʾ al-Imām Mālik*. Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, s.n.

مودودی، ابوالاعلیٰ۔**اسلام اور جدید معاشی نظریات**۔لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۵۹ء۔

Mawdūdī, Abū al-Aʿlā. *Islām aur Jadīd Maʿīshī Nazariyāt*. Lāhor: Islamic Publications Ltd., 1959.

مودودی، ابوالاعلی۔**اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات**۔لاہور: ادارۃ ترجمان القرآن، ۱۹۹۵ء۔

Mawdūdī, Abū al-Aʿlā. *Islāmī Nizām-i Zindagī aur is ke Bunyādī Taṣawwurāt*. Lāhor: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1995.

ندوی، مسعود۔**اشتراکیت اور اسلام**۔لاہور: ادارہ معارف، ۱۹۹۳ء۔

Nadwī, Masʿūd. *Ishtirākiyyat aur Islām*. Lāhor: Idārah Maʿārif, 1993.

ہیثمی، نورالدین علی۔ **مجمع الزوائد**۔ بیروت: دارالفکر، س ن۔

Haythamī, Nūr al-Dīn ʿAlī. *Majmaʿ al-Zawāʾid*. Bayrūt: Dār al-Fikr, s.n.

Encyclopedia Britannica. Last modified January 2025. Accessed January 23, 2025. https://www.britannica.com.

John Locke, Two Treatises of Government (USA :publisher New York New American Library,

Orwell, George. Animal Farm(London: Secker & Warburg,ء1945)-

Thomas Piketty,Capital in the Twenty-First Century,(Harvard University Press, 2014),1/171.

حوالہ جات

[1] غلام سرور قادری، **معاشیاتِ نظام مصطفی**(لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1984ء)، 24/1۔

[2] القرآن: 32/43۔

[3] Thomas Piketty,Capital in the Twenty-First Century,(Harvard University Press, 2014),1/171.

[4] ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات**(لاہور: ادارۃ ترجمان القرآن، 1995ء)، 112/1۔

[5] عبدالحمید ڈار، (ودیگر مصنفین)، **اسلامی معاشیات**(لاہور: علمی کتاب خانہ، 2007ء)، 98/1۔

[6] جاوید اکبر انصاری، **سرمایہ داری کے نقیب**(لاہور: لیگسی بکس، 2019ء)، 24/1۔

[7] مسعود ندوی، **اشتراکیت اور اسلام**(لاہور: ادارہ معارف، 1993ء)، 153/1۔

[8] شمس الحق افغانی، **سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ**(کوہاٹ: ادارۃ البحوث والدعوۃ الاسلامیہ، 1983ء)، 50/1۔

[9] القرآن: 8/5۔

[10] القرآن: 71/16۔

[11] القرآن: 32/43۔

[12] القرآن: 29/4۔

[13] القرآن: 172/1۔

[14] القرآن: 7/57۔

[15]القرآن:7/59۔

[16]ابو عبداللہ ابن ماجہ، **السنن**، کتاب التجارات، باب الحُکْرَۃِ وَالْجَلَبِ (بیروت: دار الجیل، 1998ء)3/519۔

[17]ابن ماجہ، **السنن**، کتاب التجارات، باب الحُکْرَۃِ وَالْجَلَبِ، 3/520۔

[18]القرآن:9/34۔

[19]محمد بن إسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)3/57۔

[20]ابن ماجہ، **السنن**، کتاب الأحکام، باب إکرام الأجیر وإعطائہ حقہ، 4/93۔

[21]القرآن:51/19۔

[22]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیماً، 8/34۔

[23]القرآن:9/103۔

[24]Encyclopedia Britannica. Last modified January 2025. Accessed January 23, 2025. https://www.britannica.com.

[25]محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت** (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2012ء)، 1/27۔

[26]محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**، 1/27۔

[27] John Locke, Two Treatises of Government (USA :publisher NewYork New American Library,

1963ء),1/395.

[28]محمد تقی عثمانی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**، 1/29۔

[29]ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، 1959ء)، 1/21۔

[30]علی عباس جلالپوری، **تاریخ کا نیا موڑ** (لاہور: ناشر تخلیقات، 2008ء)، 1/164۔

[31]جاوید اکبر انصاری، **مغربی تہذیب کا اساسی نظام اور اسکی استعماری توسیع سرمایہ دارانہ نظام ایک تعارف**، (لاہور: کتاب محل، س ن)، 1/7۔

[32]زاہد صدیق مغل؛ جاوید اکبر انصاری، **سرمایہ دارنہ انفرادیت کا حال اور مقام** (2)، (گوجرانوالہ: مجلہ ماہنامہ الشریعہ، شمارہ 8، اگست 2012ء)، 1/17۔

[33]فرحان، **اردو لغت تاریخی اصول پر** (کراچی: ناشر ترقی اردو بورد، 1977ء)، 1/96۔

[34]بلال زبیری، اسلامی حکومت اور سوشلزم (جھنگ: جھنگ ادبی اکیڈمی، 1972ء)، 1/34۔

[35]ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلام اور جدید معاشی نظریات** 1/54۔

[36]شمس الحق افغانی، **سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ**، 1/42۔

[37]Orwell, George. Animal Farm(London: Secker & Warburg,ء1945),1/37.

[38]القرآن:7/59۔

[39]القرآن:33/24۔

[40]القرآن:120/5۔

[41]القرآن:64،63/56۔

[42]القرآن:35/36۔

[43]القرآن:25،24/70۔

[44]القرآن:141/6۔

[45]القرآن:10/62۔

[46]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، بَابُ کَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، 57/3۔

[47]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب البیوع، بَابُ کَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ، 58/3۔

[48]أبو بکر أحمد بن الحسین البیہقی، **السنن الکبری**، کتاب الاجارۃ، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، (حیدر آباد الہند: مجلس دائرۃ النظامیۃ، ۱۳۴۴ھ)، 128/6۔

[49]نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی، **مجمع الزوائد**، کتاب البیوع، باب الکسب والتجارۃ ومحبتہا والحث علی طلب الرزق، (بیروت: دار الفکر، س،ن)، 109/4۔

[50]القرآن:19/51۔

[51]القرآن:24،25/70۔

[52]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الزکوۃ، بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الأَغْنِيَاءِ وَتُرَدَّ فِي الفُقَرَاءِ حَيْثُ كَانُوا، 665/2۔

[53]محمد تقی عثمانی، **تکملۃ فتح الملہم**، کتاب البیوع، المذہب الاقتصادی الإسلامی (کراچی: مکتبۃ دار العلوم، س ن)، 312/1۔

[54]مالک بن أنس، **المؤطا**، کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، 591/1۔

[55]القرآن:59/4۔

[56]ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ التبریزی، **مشکوۃ المصابیح**، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ)، 8/3۔

[57]احمد الحجی الکردی، **القواعد الفقہیۃ الکلیۃ**، القاعدہ الثامنا: نظریۃ الولایۃ (کویت: وزارۃ الاوقف والشوون الاسلامیہ بدولۃ الکویت، س،ن)، 85/1۔

[58]بخاری، **الجامع الصحیح**، کتَابِ الرِّقَاقِ، بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ المَالِ، 121/8۔